ڈاکٹر سلطانہ بخش

بارہویں صدی ہجری کے نامور صوفی شاعر
شاہ تراب علی ترابؔ بیجاپوری

Abstract: - *How have literature and Urdu language in Daccan, the center Urdu, been flourished? In this article a thorough research on the work of sufi, Shah Turab Ali Turab Bejapuri who made Daccani language suitable in 12th century Hegira for the preaching of sufiism underlining the problem of Sufism in poetry . This sufi has really broadened the horizon of Urdu language . Unfortunately this great sufi poet has not been discussed in the history of Urdu even his work was also published.*

دکن کی سرزمین صدیوں تک صوفیائے کرام اور اولیاء عظام کی نظرِ کرم کی آماجگاہ بنی رہی ہے۔ دکنی زبان وادب پر ان اولیاء کرام کا بڑا احسان ہے۔ ان ہی خانوادوں میں میراں جی شمس العشاق کے خانوادے نے جنوبی ہند میں صوفیائے چشت کا بازار گرم رکھا اور فلسفۂ تصوّف میں عرفان وآگہی کو ایک نیا رنگ اور علم طریقت کو ایک نیا آہنگ دیا۔ اس خانوادے کے نامور خلفاء نے دکنی زبان کو وسیلۂ اظہار بنا کر نہ صرف اپنی تعلیمات کی تبلیغ کی بلکہ اپنے فیضانِ نظر سے دکنی زبان وادب کی برسوں تک آبیاری بھی کرتے رہے۔ تصنیف وتالیف کے میدان میں ان بزرگوں کی کاوشیں دکن کے ادب کا بیش بہا سرمایہ ہیں۔ شاہ تراب دکن میں اسی چشتیہ سلسلے کی ایک اہم کڑی ہیں، جن کا دیوان، جس کا دنیا میں واحد معلوم نسخہ انجمن ترقی اردو پاکستان کی ملکیت ہے، راقمہ نے مرتب کیا ہے۔

شاہ تراب، جن کا نام تراب علی تخلص ترابؔ اور لقب گنج الاسرار تھا، شاہ تراب کے نام سے معروف تھے۔ وہ اپنے دور کے فیض اثر صوفی اور ایک ایسے پُر گو شاعر تھے جنھوں نے صوفیانہ فکر کو اپنی شاعری کا موضوع

بنایا۔شاہ تراب کا ذکر کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ملتا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ادبی مراکز سے دور ترنامل موضوع چٹ پیٹ (ارکاٹ) میں رہتے تھے۔تصوف ان کی زندگی کا محور اور شاعری ان کے لئے تصوفؔ و معروفت کی اشاعت کا ذریعہ تھی۔

شاہ تراب نے اپنے دیوان اور دوسری تصانیف میں تؔراب تخلص استعمال کیا ہے۔لیکن بعض اشعار میں بوتؔراب، تؔرابی اور بوتؔرابی بھی ملتا ہے مثلاً:

واں تشنگی کہاں ہے جہاں آپ بو تؔراب
بے جام آبدار ہو پھرتا ہے روز و شب

(دیوان غزل ۱۴۴)

آج تؔرابی پیا بادۂ گل رنگ صنم
سن کے ہوا دل کباب ، کیف کی اس کیفیات

(دیوان غزل ۱۵۴)

توبس حق وحقیقت کا بیان بول
تو اب اے بو تؔرابی سب عیاں بول

(گلزارِ وحدت)

شاہ تراب مدراس کے علاقے ترنامل کے رہنے والے تھے۔ترنامل سے بیجاپور آکر پیر پاشاہ حسینی کے، جو حضرت امین الدین علی اعلیٰ کے پڑپوتے تھے، مرید ہوگئے اور عشق مرشد میں وطن کو بھول کر بیجاپور ہی میں قیام کرلیا۔دیوان میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے:

خویش چھوڑا، آشنا چھوڑا، وطن چھوڑا ہوں سب
جب حُسینی نے کیا ارشاد یا شاہِ نجف

تب سیتی قربان دکھن ہو رہا ہوں اے تؔراب
جب سوں بیجا پور کوں رونق دیا شاہِ دکھن

(غزل ۳۳۵)

لیکن جب پیرومرشد نے خلافت عطا کی تو انھیں ساتھ ہی ترنامل جانے کا بھی حکم دیا۔شاہ تؔراب ترنامل چلے گئے وہاں اپنا تکیہ قائم کیا اور اپنے سلسلۂ تصوّف کی تبلیغ واشاعت میں مصروف ہوگئے:

تؔرابِ عاشق بے باک تکیہ دارِ ترنامل
ہوا ہے مبتلا دیکھت قطارِ گو دڑی پوشاں

(غزل ۳۴۷)

اپنی مثنوی ''گیان سروپ'' میں بھی اس کا ذکر کیا ہے:

ہے ترنامل میں میرا مقام
وو ارناجل ہے کٹھن غلام (۱)

اب یارو طرفہ سنو نقل
ہے کرناٹک میں ترنامل (۲)

ترنامل جنوبی ارکاٹ میں واقع ہے (۳) اور اپنے خوبصورت مندروں کی وجہ سے مشہور ہے۔شہر کو پور نیاندی سیراب کرتی ہے۔ترنامل سے چھ کوس کے فاصلے پر سلہٹ کھیڑہ ہے جہاں جنوبی ارکاٹ کا مشہور قلعہ سینٹ ڈیوڈ ہے۔اورنگزیب عالمگیر نے ۱۶۸۶ء میں سلطنت بیجاپور کو فتح کیا (۴) جس میں کرناٹک کا بڑا حصہ شامل تھا۔اورنگزیب نے حیدرآباد اور بیجاپور کے صوبوں میں سے ہر ایک کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔بیجاپور کے دو حصوں میں ایک بیجاپور کرناٹک بالاگھاٹ اور دوسرا بیجاپور کرناٹک پائن گھاٹ تھا۔یہ علاقہ چونکہ سلطنتِ بیجاپور کا حصہ تھا اس لئے اہلِ دکن آج بھی شاہ تراب کو بیجاپوری لکھتے ہیں۔آج بھی ترنامل پلاپورم کڈپڈی لائن پر

ساؤتھ انڈین ریلوے کا ایک اسٹیشن ہے(۵)۔

شاہ تراب کا سال پیدائش ۱۱۳۰ھ ہے۔اپنے دیوان کی ایک غزل میں شاہ تراب نے لکھا ہے کہ جب انھوں نے دیوان کی فکر کی تو اُس وقت انکی عمر چالیس سال تھی۔

جب فکر یہ کیا تھا میں رنگیں خیال کی
تھی عمر اس فقیر (کی) تب چہل سال کی

(غزل ۵۶۴)

انھوں نے اپنا دیوان ۱۱۷۰ھ میں ترتیب دیا اور یہ دیوان جیسا کہ شاہ تراب نے خود اسی غزل کے اس شعر میں بتایا ہے، ایک سال کے عرصے میں تکمیل کو پہنچا :

سن یک ہزار و یک صد و ہفتاد تھا دیکھو
تصنیف جب کیا ہوں صفت ذوالجلال کی

(غزل ۵۶۴)

ان دونوں اشعار سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ شاہ تراب نے ۱۱۷۰ھ میں اپنا دیوان مرتب کیا۔اس دیوان کو مرتب کرنے میں انھیں ایک سال لگا اور اس وقت ان کی عمر ۴۰ سال تھی، جس کے معنی یہ ہیں کہ شاہ تراب ۱۱۳۰ھ میں پیدا ہوئے۔دیوان کی اس داخلی شہادت کی روشنی میں شاہ تراب کی پیدائش کے سلسلے میں وہ تمام قیاسات ساقط الاعتبار ہو جاتے ہیں جن پر اہل علم اب تک بحث کرتے رہے ہیں۔ڈاکٹر سیّدہ جعفر نے ''گیان سروپ'' کے ایک مخطوطے مکتوبہ ۱۱۲۱ھ کی بنیاد پر شاہ تراب کا سال ولادت قیاساً ۱۱۰۵/۱۱۰۴ھ متعین کیا تھا۔حالانکہ مثنوی ''گیان سروپ'' میں خود شاہ تراب نے بتایا ہے کہ:

اب یارو طرفہ سنو نقل
ہے کر نانک میں ترنامل

بل مشہور جس کا ہے دیول
اور دیول کا نانون ارناجل
اوس ارناجل کو مار کھندل
وو بخشیا واں کا مجھے عمل (۶)

اس بند کے مطالعے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کی شاہ تراب نے ''گیان سروپ'' اپنے مرشد پیر بادشاہ حسینی سے خلافت ملنے کے بعد لکھی۔جب ترنامل کا علاقہ انھیں خلافت میں دیا گیا۔ع وو بخشیاں واں کا مجھے عمل۔شاہ تراب کو یہ خلافت ۱۱۵۰ھ میں ملی جیسا کہ اس شعر سے واضح ہے :

او ولی عصر مرشد نامدار
درسن پنجدہ ویک صد یک ہزار

(ظہور گلی)

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ شاہ تراب نے ''گیان سروپ'' ۱۱۵۰ھ یا اس کے بعد لکھی اور اس لئے ''گیان سروپ'' کا نسخہ ۱۱۲۱ھ کا مکتوبہ نہیں ہو سکتا۔یہ محض کتابت کی غلطی ہے اور کتابت کی اس واضح غلطی پر شاہ تراب کی ولادت کی جستجو کرنا محض غلطی ہے۔شاہ تراب کا سالِ ولادت دیوان کی واضح شہادت کے پیش نظر ۱۱۳۰ھ ہے اور اس وقت وہ نو جوان تھے جب ''گیان سروپ'' لکھی گئی۔اس میں خود شاہ تراب نے اس بات کی طرف واضح اشارہ کیا ہے کہ وہ اس وقت ''بھولے بھالے بالک'' تھے ان کا وہ شعر یہ ہے:

پر بالک بالا بھولا ہوں
گن سترا جیو کے تولا ہوں

پھر دلچسپ بات یہ ہے کہ شاہ تراب کی ساری تصنیفات کم و بیش ۱۱۷۰ھ اور ۱۱۸۷ھ کے درمیانی عرصے میں لکھی گئیں۔دیوان تراب ۱۱۷۰ھ، ظہور گلی ۱۱۷۱ھ، من سمجھاون ۱۱۷۱ھ، گلزار وحدت ۱۱۷۳ھ، گنج الاسرار ۱۱۷۹ھ، آئینہ کثرت ۱۱۸۷ھ، اگر گیان سروپ ۱۱۲۱ھ میں لکھی جاتی تو یہ سوال سامنے آتا ہے کہ آخر ۱۱۲۱ھ

سے ۱۱۷۰ھ تک تقریباً ۴۹ سال سے وہ کیا لکھتے رہے؟ اس لئے اب شاہ تراب کا سالِ ولادت قطعیت کے ساتھ ۱۱۳۰ھ متعین کیا جاسکتا ہے۔

شاہ تراب ایک ایسے صوفی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے جن کے آبا و اجداد بھی صوفی تھے جس کی طرف انہوں نے ''ظہورِ کُلّی'' میں اشارہ کیا ہے:

جد و آبا صوفیاء میرے ہیں سب
تھی محبت پاک او از فضل رب

شاہ تراب نے علومِ متداولہ کا اکتساب کیا تھا۔ وہ نہ صرف فارسی و عربی زبانوں سے واقف تھے بلکہ اردو کے علاوہ مرہٹی اور دوسری علاقائی زبانوں سے بھی واقف تھے، وہ ایک طرف علمِ سلوک و تصوف سے آگاہی رکھتے تھے اور دوسری طرف علمِ رمل، حکمت، نجوم، ہیئت و فلسفہ پر بھی قدرت رکھتے تھے۔ یہ وہ علوم ہیں (خصوصاً رمل) جو خاندان امین الدین علی اعلیٰ کا طرۂ امتیاز رہے ہیں۔ شاہ تراب نے علمِ رمل اپنے مرشد پیر پاشا حسینی سے سیکھا تھا اور مشق سے ایسی قدرت بہم پہنچائی تھی کہ مرشد نے نہ صرف انھیں ''گنج الاسرار'' کا خطاب دیا بلکہ شاہ تراب نے گنج الاسرار کے نام سے ایک طویل منظوم تصنیف بھی قلمبند کی جس میں علمِ ورمل کو وضاحت سے بیان کیا ہے۔ ان کے دیوان اور دوسری مثنویوں ''گلزار وحدت'' اور ''ظہورِ کُلّی'' میں علم ورمل وغیرہ کی اصطلاحات اسی لئے کثرت سے استعمال ہوئی ہیں۔ شاہ تراب شاہ دانیال (م۔۹۹۰ھ) (۸) کے علم رمل کی بہت تعریف کرتے ہیں اور خود کو ''منشی اسرار دانیال'' کہتے ہیں۔

تراب منشی اسرار دانیال
حکایت نہیں لکھنا ہے فی الحال
تراب راز دارِ دانیال ہوں
رمل کے علم میں صاحب خیال ہوں

(من سمجھاون)

اسی طرح ان کے دیوان اور دوسری منظوم تصانیف میں علم ہندسہ، ہیئت اور نجوم کی اصطلاحات و اشارات بھی کثرت سے استعمال میں آئے ہیں ان کے کلام کو دیکھ کر ان کے صاحبِ علم ہونے کی تصدیق ہوتی ہے۔

شاہ تراب، پیر بادشاہ حسینی کے مرید و خلیفہ تھے۔ زیرِ نظر دیوان میں ۷ اشعر کی ایک غزل میں اپنا شجرہ خلافت بیان کیا ہے، جو آنحضرت ﷺ سے شروع ہوکر میراں جی شمس العشاق، برہان الدین جانم، امین الدین علی اعلیٰ، بابا شاہ حسینی اور علی پیر سے ہوتا ہوا پیر پاشا (سید بابا شاہ حسینی) تک آیا ہے۔ شاہ تراب نے نوعمری میں پیر پاشا حسینی کے ہاتھ پر بیعت کی اور بہت تیزی سے سلوک و معرفت کی منزلیں طے کرتے چلے گئے یہاں تک کہ ۱۱۵۰ھ میں، جب ان کی عمر ۲۰ سال تھی، پیر نے نہ صرف انھیں اپنا خلیفہ مقرر کیا بلکہ ترنامل جانے کا حکم بھی دیا۔ علمِ رمل پر غیر معمولی قدرت کی وجہ سے انھیں گنج الاسرار کا لقب بھی عطا کیا جس کا ذکر شاہ تراب نے اپنے دیوان میں کیا ہے:

نام میرا تراب نقش پا
گنج الاسرار ہے لقب بولو

(غزل ۴۰۷)

ترابؔ نجف خوب دریافت کر
کیے ہم کوں تب گنج الاسرار تم

(غزل ۲۹۷)

ظہورِ کُلّی میں بھی لکھا ہے کہ ۱۱۵۰ھ میں حضرت پیر پاشاہ نے انھیں خلوت میں بلایا۔ سر سے پیر تک یدِ قدرت پھیرا اور کہا تو میرا فرزند ہے، عاقل و ہشیار ہے اس لیے میں تجھے گنج الاسرار کے لقب کے ساتھ اپنا خلیفہ مقرر کرتا ہوں:

اوولی عصر مرشد نامدار
درسن پنجدہ ویک صد یک ہزار

روز جمعہ ماہ رجب وقت شام
دی خلافت گنج الاسرار بخشے نام

انھیں پیر پاشا حسینی نے مفوص، منطق، علم رمل، تصوف، علم ظاہر و باطن کی تعلیم بھی دی، جس کا اعتراف شاہ تراب نے ان اشعار میں کیا ہے:

مفوص و منطق و علم رمل سب
تصوف کا دیگر بخشے علم سب
کیا مرشد نے سب ظاہر سوں ماہر
بھی علم باطنی بخشا ظواہر

(گنج الاسرار)

شاہ تراب کے پیر و مرشد ۱۰۷۳ھ میں بیجاپور میں پیدا ہوئے صاحب دیوان شاعر اور صاحب علم انسان تھے۔ ان کے دیوان کا مخطوطہ انجمن ترقی اردو پاکستان میں محفوظ ہے خود تراب نے بھی دیوان حسنی کا ذکر اپنے دیوان میں کیا ہے:

دل اگر چاہے گا یار دل پسند خوش گفتگو
لے لے دیوانِ حسینی دیکھ اے عالی مقام

پیر پاشاہ حسینی جن کا سالِ وفات نامعلوم ہے نظام سلوک اور علم باطنی میں اپنے جد بزرگوار کے مرید و خلیفہ تھے شاہ تراب اپنے پیر و مرشد کے ایسے عاشق تھے کہ سارے دیوان میں یہی مرشد اُن کے محبوبِ مجازی ہیں اور خود تراب عاشق ہجور ہیں، جن کے فراق اور خواہش وصل میں وہ تڑپ رہے ہیں۔

شاہ تراب کو جیسا کہ ہم لکھ آئے ہیں ۱۱۵۰ھ ہجری میں خلافت ملی اور وہ ترنامل چلے گئے۔ وہاں سے وہ تبلیغ و اشاعت کے سلسلے میں کرناٹک کے مختلف علاقوں میں گھومتے رہے۔ وطن کو خیر باد کہہ کر جہاں

گردی کا ذکر تراب نے اپنے دیوان میں کئی جگہ کیا ہے:

دھن مال سب جلادے گریباں کو کرکے چاک
جوگی نمط جہاں منے اپنا برن کیا

(دیوان غزل ۶۰)

نام میرا بجا ہے پردیسی
سر بسر دیس ہی پرایا ہے

(غزل ۴۵۸)

اٹھارویں صدی کا یہ وہ دور تھا کہ اقوام مغرب دکن پر یلغار کیے ہوئے تھیں اور فرانسیسیوں کا تسلط اس علاقے پر قائم ہو رہا تھا۔ اس زمانہ میں فرانسیسیوں کے حملوں سے پریشان ہو کر شاہ تراب نے گھر بار چھوڑ کر اپنے اہل و عیال سمیت کچھ عرصے کے لئے جنگل کو بھی اپنا مسکن بنایا۔ ان کی تصانیف کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے دریائے کاویری کے کنارے کنارے بھی سفر کیا اور تنجور بھی پہنچے۔ من سمجھاون میں تنجور کے راجا پرتاب سنگھ کا ذکر آتا ہے۔

شاہ تراب سنی العقیدہ بزرگ تھے۔ اپنی تصانیف میں خلفائے کرام کی شان میں مدح اور اہل بیت سے عقیدت و محبت کا بار بار اظہار کرتے ہیں:

شیشہ دل سے کاڑ زنگ خطور
چار یاروں سے اتفاق رکھو

(غزل ۴۰۳)

عجب تھے او نبی کے چار یاراں
ہے قائم جن سوں سارا جسمِ انساں

ستونِ دیں اوس چار وکو جانو
ظہورِ کائناتِ حق پچہانو

(قصہ مہ جبین وملا)

تراب چشتی سلسلے سے تعلق رکھتے تھے اور چشتیہ سلسلے کے تمام بزرگ حضرت علیؓ سے نہایت عقیدت رکھتے ہیں شاہ تراب کی سب تصانیف میں اور خصوصاً دیوان میں جگہ جگہ حضرت علیؓ سے گہری عقیدت کا اظہار ملتا ہے:

ترابِ نقش نعلین علی المرتضیٰ ہوں میں
علی کی بندگی خاطر مرا دُنیا میں آنا ہے

(غزل۱۰۶)

جوش و خروش عشق سوں تحریر ہے تمام
تیری ثناء کی شان میں دیوان یاعلی

(غزل۵۶۲)

شاہ تراب کس خاندان سے تعلق رکھتے تھے؟ ان کے آباواجداد کون تھے؟ ان باتوں کا کچھ پتا نہیں چلتا۔ البتہ ''ظہور کُلی'' میں ان کے ایک چھوٹے بھائی مرزا محمد کا نام آتا ہے جو نوجوانی میں وفات پا گئے تھے اور جن کی وفات نے شاہ تراب کی دنیا تاریک کردی تھی:

تھا برادر خورد میرے پیارکا
ہوگیا ہے ہے وفات اس یار کا
فال کا مرزا محمد نام اتھا
مثلِ رستم صاحب صمصام اتھا

''ظہور کُلی'' سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ غلام مرتضیٰ ان کے بیٹے تھے جو ان کے خلیفہ اور جانشین

تھے۔ شاہ تراب نے اپنے دیوان کی ایک غزل میں، جو اپنا شجرۂ طریقت دیا ہے، اپنے بیٹے غلام مرتضیٰ اور ان کی خلافت کا ذکر کیا ہے:۔

خلیفہ ہور خلف میرا غلام مرتضیٰ بے شب
کیا چشمِ ترآبی کوں جو نورالعین نورانی

(غزل۵۴۷)

''ظہور کُلی'' اپنے اسی بیٹے کی فرمائش پر لکھی تھی۔ اس میں بتایا ہے کہ غلام مرتضیٰ کا لقب فریدالدین تھا اور اس لقب کی وجہ یہ تھی کہ حُسام الدین کا شیوہ پیدا کرنے کے لئے، جن کی فرمائش پر مولانائے روم نے اپنی مثنوی معنوی لکھی تھی، انھوں نے بھی غلام مرتضیٰ کا لقب فریدالدین کردیا تا کہ اس فرمائش کی وہی نوعیت ہوجائے جو حسام الدین کی فرمائش کی تھی۔ ظہور کُلی کے وہ اشعار یہ ہیں:

اے غلام مرتضیٰ جانِ تراب
ہے فریدالدین ترا عالی خطاب
معرفت میں بس کہ فرد خاص ہے
تب فرید الدین بااخلاص ہے
تجھ میں شیوہ ہو حُسام الدین کا
میں لقب تیرا فرید الدین کیا

غلام مرتضیٰ خود بھی شاعر تھے اور تخلص شریف تھا۔ خلافت نامے میں ان کا تخلص شریف ہی دیا ہے(۱۰)۔ مرزا محمد کی وفات پر شاہ تراب اتنے دل برداشتہ ہوئے کہ اپنے بیٹے سے شاعری ترک کرکے دلِ غمگیں کی دلبری کرنے کے لئے کہا:

دردِ دل مج کوں تیرا عمود یا
عشرتِ دل چھین کرسارا لیا

چھوڑ دے اب توں خیال شاعری
کر دلِ غمگیں کوں میری دلبری

غلام مرتضیٰ کے علاوہ شاہ تراب کے کسی اور بیٹے کا پتا نہیں چلتا۔ البتہ ''آئینہ کثرت'' میں ان کی ایک بیٹی فخر النساء (۱۲) کا نام آتا ہے۔ معین الدین علی تجلی نے اپنے رسالے ''فتوح المعین'' میں شاہ تراب کو اپنا چچا بتایا ہے۔ تجلی کے الفاظ یہ ہیں: ''بخدمت عموئی فلک جناب غوث اللہ خطاب شاہدات اسباب حضرت شاہ تراب گنج الاسرار چشتی مدظلہ تعالیٰ'' (۱۳)۔

اس سے معلوم ہوا کہ تجلی اور شاہ تراب کا خاندان ایک تھا اور وہ اپنے زمانے میں گنج الاسرار ہی کے نام سے مشہور تھے۔

شاہ تراب کی پیدائش کا تعین تو ان کے اپنے بیان کی روشنی میں ہو جاتا ہے لیکن ان کے سال وفات کا تعین ممکن نہیں۔ ان کی آخری تصنیف آئینہ کثرت کا، اگر اسے شاہ تراب ہی کی تصنیف مانا جائے، سال تصنیف ۱۱۸۷ھ ہے اور اس کے پیش نظر صرف اتنا کہا جا سکتا ہے کہ وہ ۱۱۸۷ھ تک بقیدِ حیات تھے۔

شاہ تراب ایک عالم، صوفی اور شاعر تھے جن کی ذات وفکر کے بلند مرتبے کا اندازہ ان کے کلام سے لگایا جا سکتا ہے۔ درویشی اور استغنا ان کی فطرت تھی۔ وہ ایک قانع، متوکل اور بے نیاز انسان تھے، ان کے لئے قلندری و درویشی، شہنشاہیت و ملوکیت سے زیادہ اہمیت رکھتی تھی، جس کا اظہار جگہ جگہ انھوں نے اپنے دیوان میں کیا ہے ان کی شخصیت دلکش اور ان کی ذات بافیض تھی اور وہ اٹھارویں صدی کے اُس پُر آشوب دور میں موجود تھے جب ایک نظام کمزور ہو کر بکھر رہا تھا اور اقوام مغرب کا نیا نظام رفتہ رفتہ جنوبی ہند میں اس کی جگہ لے رہا تھا۔ معاشی ڈھانچہ کمزور ہو چکا تھا اور سارا معاشرہ بے یقینی اور عدم استحکام کا شکار تھا۔ جنوبی ہند مختلف ٹکڑوں میں تقسیم ہو چکا تھا اور ان ٹکڑوں کے راجہ نواب اور جاگیردار ایک دوسرے سے برسرِ پیکار تھے۔ ۱۱۶۴ھ میں مظفر جنگ کی مسند نشینی کے ساتھ ہی پٹھان جاگیرداروں اور فرانسیسیوں نے غلبہ حاصل کر لیا

تھا اور مظفر جنگ فرانسیسیوں کا اس حد تک دست نگر ہو گیا تھا کہ اس کے خیمے کے آس پاس فرانسیسیوں کا پہرہ ہوتا تھا۔ اس دور میں شرفا تنگ دست و بے اثر ہو چکے تھے اور نو دولتیوں نے ان کی جگہ لے لی تھی جن کے پاس دولت تو تھی لیکن روایت نہیں تھی۔ شاہ تراب نے کئی جگہ اس صورت حال کی طرف اشارہ کیا ہے:

جو ہے اہل دول پاجی پرستاں
نہیں اشراف کی ان پاس عزت

(غزل ۱۵۵، شعر ۴)

ہر طرف پواج و اراذل کا طنطنہ
شرفا کے تئیں کیا ہے دیکھو بے وقار چرخ

(غزل ۱۸۲، شعر ۴)

شاہ تراب نے بھی حاتم، ناجی، سودا و میر وغیرہ کی طرح اپنے دور کی معاشی بدحالی اور اخلاقی خرابیوں کو شہر آشوب کے سے انداز میں اپنے دیوان میں بیان کیا ہے۔ اس زمانے میں شرافت کا کوئی خریدار نہ تھا، شرفا اپنی عزت بچائے پھرتے تھے، گھٹیا لوگوں کی پانچوں انگلیاں گھی میں تھیں، جانثار وفادار لوگ مالی بدحالی سے خستہ تھے۔ مفاد پرست طبقہ مزے کر رہا تھا۔ نیرنگیٔ فلک کے باعث امراء کی مجلسوں میں شرفاء، علماء اور صاحبانِ کمال کی جگہ قصاب، ڈھلیت اور چوب داروں نے لے لی تھی۔ شراب و بھنگ شریعت میں داخل ہو گئی تھی۔ ہر طرف لوگ غوث الاعظم کی اولاد بن کر مکر کا تھبلہ پہنے، بلا اتارنے کا دھوکہ دیکر، دولت بٹور رہے تھے۔ شیخ خرقہ، تسبیح وکلاہ پہن کر شیطنت کا ترجمہ بن گیا تھا۔ وہ غزلیں جن کے مطلع یہ ہیں، اسی صورتحال کو سامنے لاتی ہیں:

۱۔ دستا ہے سب جہاں منے دور کمین اب
اشراف نامدار سب ہی خوار وزار ہیں

۲۔ اس قناعت ہور توکل فقر سوں بیزار ہو
چھوڑدے سب راستی ہور جھوٹ میں تیار ہو

(غزل۳۹۵)

۳۔ قدرت اللہ عجب نظارہ ہے
ہر طرف شور ہے پکارا ہے

(غزل۵۶۷)

اقتدار حاصل کرنے کے لئے انگریزو ں اور فرانسیسیوں کے درمیان جنگ زوروں پر تھی۔مرہٹوں کے تاخت وتاراج سے سارا معاشرہ انتشار کا شکار تھا اور سیاسی ابتری نے معاشرے کی روح کو پژمردہ کردیا تھا۔ یہ سب واقعات شاہ تراب کے سامنے ہور ہے تھے جن کا اظہار ان کے دیوان میں ہوا ہے:

ہوا ہے ہر طرف ہنگامہ دیکھو قوم نصاریٰ کا
خدا بھیج مہدی کو ں جو قائم رہے مسلمانی

(غزل۵۴۶)

غلبہ قوم نصاریٰ بسکہ دستا ہر طرف
کر ظہور اپنا شتاب اے مہدی آخر زماں

(غزل۳۵۱)

اس دیوان کے ایک مسدس میں شاہ تراب فرنگیوں کو ''بلا'' کہتے ہیں اور اس بلا سے نجات کی دعا کرتے ہیں۔پورا مسدس اسی موضوع پر لکھا گیا ہے۔تراب نے اس مسدس کی تاریخ تصنیف بھی ''جنی خبیث'' نکالی ہے جس سے ۱۱۷۵ھ برآمد ہوتے ہیں۔۱۱۸۱ھ میں ایک عہدنامے کے تحت انگریزوں،نواب محمد علی اور نظام میں صلح ہوگئی اور کرناٹک وبالاگھاٹ کا علاقہ انگریزوں کے حوالے کردیا گیا۔نواب نے اپنے تمام سرکاروں کو لکھ بھیجا کہ آئندہ کمپنی کو اپنا مالک تصور کرکے مال گزاری انھیں دیا کریں۔شاہ تراب نے ''ظہور

کلی'' میں ترنامل پر فرانسیسیوں کے حملے کا بھی ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ مسلمانوں نے ایک دوسرے کی مدد کے لئے کوئی کمک نہیں بھیجی،جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چٹ پیٹ کا قلعہ فرنگیوں کے قبضے میں چلا گیا۔اس دور کی سیاسی صورت حال،معاشرتی ابتری،معاشی بدحالی اور مسلمانوں کے خلاف مسلمانوں کی سازشوں نے کاروبارِ حیات سے ان کا دل اُچاٹ کردیا اور وہ تکیہ اپنے بیٹے غلام مرتضیٰ کے سپرد کرکے گوشہ نشین ہوگئے:

ملک سارا وو فرنگستاں ہوا
پلاپلی ملک کفرستاں ہوا

جا مسلماں فرنگی سوں ملے
دینِ عیسیٰ پر تو اکثر وہ چلے
کنج عزلت کرکے بیٹھا اختیار
دینِ عیسیٰ کا دسیا جب کاروبار
کر غلام مرتضیٰ کو تکیہ دار
گوشۂ تنہائی کیتا اختیار

تصانیف:

شاہ تراب صاحبِ دیوان اور کثیر التصانیف شاعر تھے۔ان کی تخلیقات میں سب سے اہم دیوان ہے جو پانچ سو اکہتر (۵۷۱) غزلوں،بارہ مخمس،دو مستزاد،تین مسدس اور ایک سی حرفی پر مشتمل ہے۔دیوان کے علاوہ ان کی اہم تصانیف ''ظہور کلی''،''من سمجھاون''،''گلزار وحدت''،''گنج الاسرار''،قصہ مہ جبین و ملا''،''گیان سروپ''،''آئینہ کثرت'' اور ''مثنوی رام چندر و دلارام'' ہیں جن کے اشعار کی مجموعی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔شاہ تراب کے دیوان اور دیگر تخلیقات سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاہ تراب ایک وسیع النظر اور روشن خیال صوفی اور ایک پُرگو شاعر تھے۔ان کی بیشتر تصنیفات میں خانوادۂ امینیہ کے نظام سلوک اور فلسفہ تصوف کے اسرار و رموز کا بیان ملتا ہے۔

مطالعہ دیوان:

شاہ تراب نے یہ ضخیم دیوان جس میں غزلیں، مسدس، مخمس، سی حرفی اور مستزاد شامل ہیں ایک سال کے عرصے میں مکمل کیا۔ ترابؔ نے خود بتایا ہے کہ:

دیوان ایک سال میں اتمام سب ہوا
تعریف میں تو دلبر ابر و ہلال کی ہے (۱۳)

یہ دیوان ۱۱۷۰ھ میں تصنیف ہوا۔ شاہ تراب نے دیوان کی تاریخ تصنیف کا تین جگہ ذکر کیا ہے، کہتے ہیں:

سن یک ہزار ویک صدو ہفتاد تھا دیکھو
تصنیف جب کیا ہوں صفت ذوالجلال کی (۱۴)
تب بلبلِ خرد گل خورشید خیر دیا
۱۱۷۰
خوش آئی دل کو بات او رنگین مقال کی

(ص۲۸۵)

ایک اور جگہ یوں کہتے ہیں:

ہاتف کہ مرے گوش میں دیوان کی تعریف، بولا گل خورشید
منظور کرے سن کے شکل بلبلِ عرفاں، یا حیدر کرار

شاہ تراب نے جب یہ دیوان لکھنے کا ارادہ کیا تو اس وقت ان کی عمر چالیس سال کی تھی۔ اس کے متعلق ایک جگہ خود کہتے ہیں:

جب فکر یہ کیا تھا میں رنگیں خیال کی
تھی عمر اس فقیر تب چہل سال کی

(دیوان، ص۲۸۴)

دیوان لکھنے کی تحریک انھیں محمدی خان کی ترغیب سے ہوئی۔ خاں صاحب کے اصرار نے شاہ ترابؔ کی ہمت بندھائی ان کا دریائے سخن جوش میں آیا اور معرفت کی لہروں نے اشعار کے موتی بکھیر دیئے۔ ترابؔ کہتے ہیں:

لے آیا شعر پر میری طبیعت
دیکھو اکثر سخن کی کہہ نکاتاں
مجھے ہر گز نہ تھا شوقِ سخن تب
سگل مضمون جب کہہ گے قدیماں
کہا او خاں دریا دل اٹل او
کہ میں صاحب سخن ہو ں ہور سخنداں
ہمیشہ تازہ مضموں بول کرلا
سخن کا سر بسر و سیا ہے میداں
سنا سولے سمندِ طبع کا باگ
کیا صحن سخن میں زلف جولاں
سخن کسی کا نہیں دزدی کیا ہوں
قسم مولا علی کی اے محباں
تصوف میں رسالے بولتا ہوں
نہ تھا شوق غزل ہرگز عزیزاں

تراب مبتلائے کاکلِ یار
کہا پر سوز دیواں دل پریشاں

شاہ تراب صاحب ذوق اور پر گوشاعر تھے۔شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ایک بلند پایہ اور وسیع المشرب صوفی بھی تھے۔شاعری میں زباں و بیان کی سطح پر شاہ تراب ولی کی اُس روش اور نئی روایت کے پیروکار ہیں۔جس نے فارسی طرزِ احساس اور اسلوب بیان کو اردو کے قالب میں ڈھال کر زبان وادب کا ایک نیا اور اعلیٰ معیار قائم کیا۔ولی کی اس روایت کی بدولت فارسی، دکھنی اور شمال کی زبان یک جان ہو کر ایسے روپ میں نمودار ہوئی جس کا نکھار اور سبھاؤ سب کے لئے قابلِ قبول تھا۔لہٰذا یہ علاقائی روایتوں کی سطح سے بلند ہو کر ایک ہمہ گیر حیثیت کی مالک ہوگئی ولی کی اس روایت نے اردو زبان کو نہ صرف ایک نئے سانچے میں ڈھالا بلکہ اسکے اجتہاد نے اردو شاعری کو بھی ایک نیا موڑ دیا۔غزل کی خارجی دنیا میں داخلی احساسات جذبات اور وارداتِ قلبیہ کو داخل کر کے اُسے ایک نیا اور خوبصورت رنگ دیا۔ جب غزل نے داخلیت کے متنوع رنگ اور حسن کو اپنا لیا تو یہ ایک ایسی صنفِ سخن بن گئی جس میں زندگی کے گہرے اور متنوع تجربات، نازک احساسات اور حیات و کائنات کے شعور کا احساس سمٹ کر اس کے دامن کی زینت بن گئے۔اور یوں ولی کی غزل کے رجحانات اردو غزل کے بنیادی رجحانات بن گئے۔شاہ تراب کی غزلیں اسی روایت کا ایک حصہ ہیں، جسے شمالی ہند میں آبرو، حاتم، ناجی اور مضمون نے ولی کے زیر اثر ابہام کی تحریک شروع کی۔تراب نے اسی روایت سے تصوف کا چراغ روشن کیا، اور اپنا دیوان پیروی ولی میں مرتب کیا۔

شاہ تراب کی غزلیں مزاج کے اعتبار سے ولی کے رجحانات کے علم بردار ہیں۔تراب کے ہاں غزل کا بنیادی تصور عشق ہے اور وہ اس عالم گیر جذبے کی مختلف کیفیات کو مختلف انداز سے غزل کے مزاج میں سموتا نظر آتا ہے، تراب کی غزل کا اسلوب، لہجہ اور طرز ادا پر فارسی غزل کا رنگ نمایاں ہے۔یہ رنگ ولی کی روایت نے نکھارا اور ولی کے بعد آنے والے شعرا اور تراب نے بھی اپنی غزل میں زبان کے اس نکھرے روپ کو برقرار رکھا۔تراب کی شاعری میں کہیں تو یہ رنگ بہت تیکھا اور گہرا نظر آتا ہے اور کہیں ہندوی اثر کے تحت دبا دبا سا محسوس ہوتا ہے۔

ایک طرف تو تراب غزل کی زبان و بیان میں ولی کے اثرات کو قبول کر کے اپنے فکر واحساس کا حصہ بناتے ہیں اور دوسری طرف فکری اعتبار سے بیجاپوری اسلوب کے انفرادی مزاج اور وہاں کے مخصوص فلسفہ وجود سے بھی متاثر ہیں۔تصوف میں فلسفہ وجود کا یہ سلسلہ میراں جی شمس العشاق سے شروع ہوتا ہے اور شاہ جانم اسے ایک باقاعدہ شکل دے کر چار عناصر کے حوالے سے اسکی تشکیل کرتے ہیں اور وجود کے چار مراتب واجب الوجود، ممکن الوجود، ممتنع الوجود اور عارف الوجود مقرر کرتے ہیں۔امین الدین علی اعلیٰ اس مخصوص فلسفے اور نظامِ سلوک کو اور آگے بڑھاتے ہیں (اس کا تفصیلی ذکر پہلے آچکا ہے) اور فلسفہ وجود سے متعلق چار عناصر آب، آتش، باد اور خاک میں پانچواں عنصر ''خالی'' اور شامل کر دیئے ہیں۔اور ان پانچ عناصر کے پچیس گن مقرر کرتے ہیں۔اس سطح پر فلسفہ ویدانت اور اسلامی تصوف کے امتزاج نے اس فلسفہ تصوف کو ایک نیا رنگ دیا اور قبولیت عام کا شرف بخشا۔

شاہ تراب اسی خانوادے کے مرید، خلیفہ اور پیروکار ہیں اس لیے ان کی غزل میں ولی کی روایت کے اثر کے ساتھ ساتھ بیجاپوری اسلوب کے انفرادی مزاج اور فکر کا اثر بھی دیکھائی دیتا ہے۔تراب کے ہاں تغزل اور تصوف کا کامیاب امتزاج ہے شعری اور فکری روایات کے اس خوبصورت ملاپ نے تراب کی زبان اور بیان میں رنگا رنگی اور بوقلمونی پیدا کر دی ہے تراب کے کلام میں ہندی کی گھلاوٹ اور رس بھی ہیں اور فارسی کی رچاوٹ اور شیرینی بھی۔تصوف کی لطیف موشگافیاں بھی ہیں اور عشق کی دلگدازی بھی لہجہ کی سنجیدگی اور متانت بھی ہے اور جذبہ واحساس کی شدت کا اظہار بھی۔

شاہ تراب نے غزل کی روایت میں جن شعرا کا اثر قبول کیا ہے وہ نہ صرف اس کا اعتراف کرتے ہیں بلکہ ان کی زمینوں میں خود بھی طبع آزمائی کرتے ہیں یا ان کے مصرعوں کی تضمین کرتے ہیں۔دیوان تراب میں ان شعراء کا ذکر ملتا ہے۔

رنگین اورنگ آبادی کے مصرعوں کی تضمین کی ہے اور ان کی زمینیں بھی اختیار کی ہیں مثلاً پیر پا شاہ حسینی کا مصرعہ:

توں اے ترابؔ مصرعہ مرشد کے فیض سوں
''ہے جیو دیدہ دیدۂ جاں کوں نظر میں دیکھ''

(دیوان ترابؔ، ص۲۰۵)

ابوالحسن قربیؔ کا مصرعہ:

سراپا ناخنِ دل ہے ترابؔ یو مصرعہ قربیؔ
''جدہر دیکھے اودھر ہے حق ولے پندار حائل ہے''

(دیوان تراب، ص۲۱۸، حاشیہ پر)

ضیاءالدین حسین رنگینؔ۔

کر وردِ دل توں مصرعہ رنگینؔ یہی ترابؔ
''نامِ علی پونام خدا جاں فدا ہوا''

(دیوان تراب، ص۲۲)

شاہ ترابؔ کا سارا دیوان تصوف میں ڈوبا ہوا ہے۔ تصوف کے طریق نظر میں تخیل، ادراک، ذہن و دل ایک خاص کیفیت سے سرشاری حاصل کرتے ہیں جس سے بصارت اور بصیرت دونوں کی تہذیب و تربیت ہوتی ہے۔ اس سے ایک طرف مضامین میں دل گدازی پیدا ہو جاتی ہے اور دوسری طرف داخلی کیفیات کو بیان کرنے کا سلیقہ، شائستہ اور مہذب ہو جاتا ہے سخن آفرینی کا معیار اور فکر و نظر کی بلندی حاصل ہو جاتی ہے چنانچہ ترابؔ نے جذب سلوک اور معرفت کو نہ صرف اپنی زندگی میں برتا بلکہ اپنی شاعری میں بھی نہایت خوبی اور والہانہ پن سے اس کا اظہار کیا ہے۔

شاہ ترابؔ کی شاعری کے بنیادی موضوع تصوف اور عشق ہیں۔ ترابؔ کے تصور عشق میں عشق مجازی و حقیقی کی سرحدیں مل گئی ہیں یہی وجہ ہے کہ انھیں دیدار مرشد میں دیدار خدا نظر آتا ہے عشق ہی ان کا

ذریعہ، عشق ہی ان کا حاصل اور عشق ہی ان کی منزل ہے۔ تراب کے کلام میں عشق و عاشقی کی وہ روش ہے جو بلند نظری اور پاک بینی کی منزہ روش ہے جس میں علویت، طہارت اور پاکیزگی کا احساس کارفرما ہے۔ ان کا دیوان دیوانِ عشق ہے۔

فکر دیوان کیا کروں اے ترابؔ
دیکھ دیوانِ عشق ہے مرا آہ

(ص۲۱۱)

عشق ان کی زندگی کا دائرہ ہے اور ان کے مرشد پیر پاشاہ حسینی اس کا مرکزی نقطہ ہیں یہی مرشدان کے محبوب ہیں اور ان ہی سے وہ اپنے دیوان میں مخاطب ہیں:

ہوا ہم کلام آج او اے ترابؔ
حسینی مرا دلربا من موہن

(ص۱۷۲)

اے ابرو کمانِ حسینی شہ دکن
تیری نگہ کا تیر ہوا برفلک دبیر

(ص۹۴)

اے ترابؔ عاشقِ حسینی کا
بولتا بال بال یا ہوہو

(ص۱۹۲)

ترابؔ عاشقِ صادق تصدق سوں حسینی کے
بحمد اللہ کہ روز شب ہو ا مشغول ہے رب سیں

(ص۱۷۳)

حسن جب پایا حسینی سوں مرے رازو نیاز
تب دلِ عشاق او کیتا ہے سر گردانِ راز
(ص۱۱۳)

اسی عشق کا اظہار ان کا مقصدِ شاعری ہے۔کئی غزلوں کے مقطعوں میں مرشد اور اپنے نام کی رعایت کو بھی ملحوظ رکھا ہے۔

تراب نقشِ نعلینِ حسینی جو کہ کہلاوے
او سے دیدار دے اپنا کر دو جگ میں واصل تم
(ص۱۴۱)

تراب نقش نعلین حسینی ہورہا تب سوں
ہوئی مشہور عالم جو مری صاحب کمالی ہے
(ص۲۶۰)

وہ اکثر غزلوں میں اور بار بار اپنے محبوب (مرشد) کی مدح میں اشعار لکھتے ہیں:

جان و دل سوں جو ہوا حسن حسینی کا مرید
عین بے تابی سوں کیوں نا اوکرے دیدوں کا دید
(ص۹۲)

پیران پیر شاہ علی پیر رہنما
مرشد میرا حسینی جوثانی امیں ہوا

رسیلا ملا جس کوں مرشد تراب
اوسی کے سخن میں تورس خوب ہے
(ص۲۵۶)

فکر محشر کا کیا اوسے پروا
جب حسینی سا پیر پایا ہے
(ص۲۲۳)

شاہ تراب اپنے ممدوح پیر حسینی کی حمد بھی کرتے ہیں۔حالانکہ حمد صرف اللہ تعالیٰ کی ہوسکتی ہے ۔لیکن تراب پیر حسینی کی حمد کررہے ہیں۔مرشد کی شان میں تو صرف مدح ہوسکتی ہے۔تراب کہتے ہیں:

مرشد کی شان میں توکرے گا توں حمد کیا
جیو ں حمدِ حق تو حمدِ حسینی کوں نہیں ہے حد
(ص۹۲)

شاہ تراب عشق مرشد کے بیان میں ان تمام کیفیات وجذبات،علامات واشارات کو بیان کرتے ہیں جو عشق مجازی سے تعلق رکھتی ہیں۔محبوب کی تمنا،دیدار محبوب کی خواہش،تصور محبوب سے پیدا ہونے والا سرور سب کچھ ان کی غزل میں ہے لیکن اس کے مخاطب درحقیقت پیر ومرشد ہیں۔فنافی الشیخ کے بعد ہی فنافی اللہ کی منزل آتی ہے:

دل منے گر چہ ترے عشقِ خدا کا ہے تلاش
اے جواں دیکھ توں دیدار خدا پیر منے
(ص۲۴۵)

تجہ میں کاں طاقت ہے اوس کو دیکھنے کا اے ترابؔ
دیکھ دیدارِ حسینی جوکہ ہے دائم حضور (ص۱۰۰)

شاہ ترابؔ کو مرشد کی قربت اور دیدار کا شرف کم عرصہ حاصل رہا۔ ۱۱۵۰ھ میں جب مرشد پیر پاشاہ حسینی نے انھیں اپنی خلافت سے سرفراز کیا اور حکم دیا کہ ترنامل جا کر تبلیغ واشاعت میں مصروف ہوں تو انھوں نے حکم محبوب پر سرِ تسلیم خم کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ جذبہ واحساس کی شدت کا دل گداز انداز ترابؔ کی شاعری کے اثر کو گہرا کر دیتا ہے۔ یہ چند شعر دیکھیے:

جیوں مردہ تھا فراق حسینی کے درد سوں
کرماتمی لباس سیہ پوش ہو ترابؔ
(ص۶۳)

ہوعاشق حسینی جاناں تراب بے تاب
تب بے وطن ہو پھرتا سن کر وطن کوں بولو
(ص۲۰۲)

گلرکوں اے نسیم صبا بول جاشتاب
از بسکہ درد ہجر سوں جاں آرہا بلب
(ص۶۹)

نہایت بے قراری ہے دل بے تاب کوں میرے
پلاؤ شربت دیدار بولو جاشکر لب سیں
(ص۱۷۲)

شاہ ترابؔ کی شاعری میں عشق کے سرمدی نغمے کی گونج ہر جگہ سنائی دیتی ہے اسی نغمے کی لے پر ترابؔ کی تخلیقی قوت گردش کر رہی ہے۔ تصوف اور اخلاق کے بیان میں بھی واردات قلبیہ ہی جاری و ساری

ہے۔ تراب کے دیوان میں مذہبی روح اور انسانی تجربات کا ایک خوبصورت امتزاج نظر آتا ہے۔ جس میں تعلیمات مرشد کی تبلیغ بھی ہے اور نصیحت و درس اخلاق بھی سلوکِ امینیہ کے مسائل بھی ہیں اور مدح مرشد بھی۔ لیکن ان سب میں عشق کی لہر دوڑ رہی ہے عشق کی آگ اور سوز و ساز نے ترابؔ کی شاعری کے اثر کو گہرا کر دیا ہے۔ ان کا عشق حقیقی ہے لیکن روپ مجازی ہے۔ یہ چند شعر دیکھئے جن سے تراب کا تصور عشق واضح ہوتا ہے:

عشق تھا احدیت میں پنہاں جب
کاں اتھے ذُریات ہور آدم
(ص۱۵۰)

عشق اللہ کوں او پہچانا ہے
عشق میں جوکیا ہے سرکوں خم
(ص۱۵۰)

لگا عشق کا زخم جس کوں ترابؔ
سدا عشق اللہ اوسی کا ہے کام
(ص۱۵۱)

جب دل میں ترے عشق محمد ہوا پیدا
کیتا ہے دیکھو گلشن کثرت کوں نورانی
(ص۲۵۲)

اسی تصور عشق کے ذریعے ترابؔ تصوف کی منازل طے کرتے ہیں۔ وہ وحدت الوجود اور ہمہ اوست کے پیرو تھے۔ اور یہ نظریات ان کا متصوفانہ شاعری کا نچوڑ ہیں۔ ترابؔ نے تصوف کے نازک مسائل، معرفت کے اسرار و رموز، حیات روحیہ کے مراحل اور کیفیات، مقامات و احوال کی تفصیلات، زہد و زہاد، عبادت اور عبا، فقر اور فقرا کے اعمال و افعال کو مخصوص اصطلاحات کے حوالے سے اپنے خاص رنگ میں

پیش کیا ہے۔علوم باطنی میں قلب اور روح کی اہمیت، ظواہر اور رسوم کی نسبت زیادہ ہے جس میں تصفیہ نفس، ضبط و نظم اس کا مدار اور معیار ہے۔ دیدار الٰہی کی تمنا اور رضائے الٰہی کے حصول کا جذبہ اس کی بنیاد اور اصل ہے۔شاہ تراب کی شاعری میں حیات روحیہ کے مراحل، احوال و مقامات کی وضاحت اور اپنے جذب وسلوک کی شرح و تفسیر پوری وسعت کے ساتھ ملتی ہے۔ جس میں نشۂ معرفت کا ہلکا ہلکا سرور بھی شامل ہے۔یہی تراب کا مقصد شاعری ہے۔شاہ تراب نے علوم باطنی کے حصول کے لیے پیر پاشاہ حسینی کے سامنے زانوائے تلمذتہ کیا تھا۔اس لئے ان کا نظریہ تصوف سلسلہ امینیہ کے مخصوص تصوف اور نظام سلوک کے بنیادی مسئلہ وحدت الوجود پر مبنی ہے جس میں حیات روحیہ کے منزال و مراتب، وحدت الوجود، ممکن الوجود، ممتنع الوجود، عارف الوجود اور واحد الوجود ہیں۔وحدت الوجود کے فلسفے کا مرکزی نقطہ ''مَنْ عَرَفَ نَفسہٗ'' پر ہے جس پر ان کا سارا فلسفہ گھومتا ہے تراب نے اس مسئلے کی وضاحت، مختلف اصطلاحات کے ذریعہ بڑے متنوع انداز میں کی ہے جس میں شائستگی اور لطافت کے ساتھ ایک بے نیازی اور درویشانہ توکل کا احساس ہوتا ہے۔لہجہ میں متانت اور سنجیدگی ہے۔تراب کا انداز ملاحظہ کیجیے:

مت ڈھونڈ ہرکوں ہرطرف اپنے میں استفسار کر
من سوں سمجھ کر مَنْ عَرَفَ مت ہرکسی اظہار کر
(ص۱۰۸)

وحدیت میں احدیت کا گذریوں ہے روز و شب
پنہاں اپس کوں جیوں کہ ثمر میں شجر کیا
(ص۳۳)

دو جو موجودِ حقیقی منقسم دو قسم جان
ایک ہے واجب وجود و دویی ممکن پچھان
(ص۱۵۳)

مکانِ احدیت میں او صنم جب گنج مخفی تھا
کہو تب زاہداں بارے کہاں تھے خویش و بیگانہ
(ص۲۱۲)

تراب کی غزلوں میں کہیں وحدت الوجود اور وحدت الشہود دونوں کے اثرات نظر آتے ہیں:

مل وجود و علم و نور وہم شہود یک بارگی
ذاتِ باری کا ہوا ہر یک طرف بسنار ہے
(ص۲۲۴)

یعنی اول علم و دوم نور و سوم ہے وجود
چارمی یعنی شہود ہے اعتبار ہست آں
(ص۱۶۹)

کچھمن کہیں، کلاتا کہیں رام کہیں رحیم
کئیں میکشاں کی صف میں بیٹھا دل کباب ہوں
(ص۱۵۷)

وحدت و کثرت کے مسئلے کو سمجھانے کے لئے تراب نے عکس اور آئینہ کے ربط کی بڑی بلیغ اور لطیف تشریح کی ہے۔تراب کہتے ہیں کہ جس طرح عکس آئینے میں نظر آتا ہے اس طرح خدا کا عکس انسان میں نظر آتا ہے تو وہ کیوں کر ہم سے جدا ہوا:

جیوں آرسی میں عکس دسے شخص کا یہاں
جب یوں خدا ہے ہم میں کہو کیوں جدا ہوا
(ص۲۲)

ہر طرف جب اوہی اوہی ہے ظہور
ہم جدا ذات سوں کہو ہیں کب
(ص۶۴)

اور کہیں کہتے ہیں:

محیط کُل شے پویو ہوتم (کہ) یک ذرہ نہیں خالی
مثال عکس آئینہ نہ خارج تم، ہونہ داخل تم
(ص۱۴۱)

حیرت افزا کیوں نہوے دل مثال آئینہ
جس طرف دیکھے اودھر دستا ترا نقش و نگار
(ص۱۰۸)

شاہ ترابؔ تصوف کے بعض اسرار کو واضح شکل میں بیان کرنا چاہتے ہیں لیکن ان کے بزرگوں نے ان ہی اسرار و رموز کو اشارہ و کنایہ میں بیان کیا ہے۔ روح کو امر رب اور صورتِ الٰہی کہا جاتا ہے حضور ﷺ نے پوچھا کہ روح کیا ہے خدا نے کہا "کہہ دیجئے روح مرے رب کا ایک حکم ہے" **"قل الروح من امر ربی"**۔ ترابؔ کہتے ہیں:

سراپا امرِ رب روح ہے اوسے کیا مرگ سوں نسبت
ہلاکت مرگ کا جس پر گذرتا سواد کیا ہے گا۔
(ص۱۲)

سلوک امینیہ کے مطابق واجب الوجود یعنی تن خاکی ممکن الوجود یعنی روح کے لئے ضروری ہے۔ روح کے عالم غیب سے عالم شہادت میں ظہور کے وجود کے لئے وجود خاکی لازم اور واجب ہے۔ "یہ

وہی مقام ہے جہاں شیخ نے کہا تھا کہ میں اپنے ہونے میں خدا کا محتاج ہوں اور خدا اپنے اظہار میں میرا محتاج ہے۔ شیخ نے جو بات صاف صاف کہہ دی اس خانوادے کے بزرگوں نے اسے کنایے کے رنگ میں بیان کیا ہے" (۱۷) اسی لئے اس خانوادے کا مسلک یہ رہا ہے کہ:

"اللہ محمد کے راز رموز کے باتاں کسی نامحرم سے نابولنا، بولیں گے تو دیوانے ہویں گے، انوکوں دیوانا کا کرنا اپے کا فرنا ہونا" (۱۸)

یہ تعلیمات امین الدین علی اعلیٰ کے نظام سلوک میں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں حضرت امین الدین کی پیروی میں ان کے خانوادے کے اکثر بزرگ روایتاً اپنے رسائل کا آغاز اسی جملے سے کرتے ہیں۔ شاہ ترابؔ اس کو یوں بیان کرتے ہیں:

اے ترابؔ رازِ حق عیاں مت کر
خال و خط بیچ بول مطلب سب
(ص۶۵)

جس رازکوں چھپاکے کہے مُرشداں تمام
کیوں اے ترابؔ راز و کیتاتوں فاش ہے
(ص۲۱۶، حاشیہ پر)

جس راز کوں خدا و رسولِ خدا چھپائے
اوس راز کا ترابؔ توں کرتا ہے کیوں بیان
(ص۱۶۹)

شاہ ترابؔ ایک وسیع القلب، روشن خیال صوفی اور بے ریا درویش تھے۔ اپنے کلام میں جہاں انھوں نے اپنی قلندری اور درویشی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ وہاں عارف کامل کے لئے صبر و قناعت اور زہد و

تقویٰ لازمی قرار دیا ہے۔اور صحبت ناجنس سے پرہیز کی تلقین کی ہے:

عارفِ کامل اوہی ہے مثل منصور العزیز
کہ نہ چھوڑے ہاتھ سوں اپنی عنانِ اختیار
(ص۱۰۸)

پاکے وجہُ اللہ ہر سو مرشدِ کامل سیتی
ماؤمن کادل سوں اپنی دھوسٹو گرد و غبار
(ص۱۰۸)

اے ترابؔ اس عالم دنیا کی محتاجی سیتی
با توکل ہو، شکیب و صبر ہور تقویٰ پکڑ
(ص۹۶)

صحبتِ ناجنس کے بارے میں کہتے ہیں:

صحبت ناجنس میں آرام نئیں ہرگز کبھو
گر تو چہتا راحتِ دل گوشۂ تنہا پکڑ
(ص۹۶)

صحبت ناجنس سوں ہے روح کو نفرت مدام
بلکہ قبضِ روح کرتا اس کا بے ہودہ کلام
(ص۱۴۶)

عارفاں کوں راحتِ دل نئیں ہے بغیراز انزوا
صحبت ناجنس سوں بہتر ہے عُزلت بوجتے
(ص۲۳۱)

شاہ ترابؔ نے اپنے کلام میں جس فلسفۂ تصوف کی موشگافیاں کیں وہ سلسلہ جانم کا مخصوص تصوف اور نظام سلوک ہے۔ان کے مخصوص فلسفۂ وجود میں ہندو ویدانت اور اسلامی فلسفۂ تصوف کی روح کا امتزاج نظر آتا ہے۔شاعر کا اسلوب بیان موضوعات کے تابع ہوتا ہے اور خصوصاً مذہبی موضوعات کی تشریح اور وضاحت کے لئے ان ہی اصطلاحات کے استعمال کا التزام کیا جاتا ہے، جو اس مذہب یا عقیدہ میں رائج ہیں ۔شاہ ترابؔ کی کئی غزلوں میں ہندو فلسفے کی اصطلاحیں اسلامی تصوف کی اصطلاحوں کا امتزاج ملتا ہے۔

حواشی:

۱۔۲ گیان سروپ،شاہ تراب،مخطوطہ انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی (مجموعہ رسائل ق) ص64
۳۔ جغرافیہ دارالحکومت مدراس، لی مارسڈنی، مدراس، مطبع رحمانی 1924ء ص 60
۴۔ بشیرالدین احمد: واقعات مملکت بیجاپور، جلد سوم،ص305
۵۔ سیدہ جعفر ڈاکٹر مرتبہ: من سمجھاون،شاہ تراب، بھارت، ص5
۶۔ گیان سروپ،مخطوطہ، کراچی انجمن ترقی اردو پاکستان،ص64
۷۔ ایضاً،ص64
۸۔ غلام سرور: خزینۃ الاصفیاء،،ص443
۹۔ دیوان شاہ تراب، کراچی،مخطوطہ، انجمن ترقی اردو پاکستان،ص146
۱۰۔ من سمجھاون،ص40
۱۱۔ ایضاً،ص13
۱۲۔ ایضاً،ص13
۱۳۔ دیوان شاہ تراب،مخطوطہ،ص285
۱۴۔ ایضاً،ص284

۱۵۔ ایضاً،ص284

۱۶۔ ایضاً،ص185,184

۱۷۔ حسینی شاہد ڈاکٹر: سید امین الدین علی اعلیٰ، حیدرآباد دکن، تاج پریس، ص179

۱۸۔ ایضاً،ص370

☆☆☆